مولانا سید ابوبکر غزنویؒ

عصرِ حاضر میں

استاد اور شاگرد کا رشتہ

آیئے ہم غور کریں کہ عصرِ حاضر میں اُستاد اور شاگرد کے رشتے میں کیا گرہیں پڑ گئی ہیں، ان گرہوں کی واضح طور پر نشاندہی کریں۔ یہ دیکھیں کہ الجھاؤ کہاں کہاں ہے اور عقدہ کشائی کی صورت کیا ہے؟ رشتے میں بگاڑ کیوں پیدا ہوا اور اسے از سرِ نو استوار کرنے کی کیا تدبیر کی جا سکتی ہے؟

مادیت سے جہاں ہماری اور بہت سی اخلاقی اور روحانی قدریں برباد ہوئی ہیں، اُستاد اور شاگرد کا رشتہ بھی اس سے متاثر ہوا ہے یہ ایک المیہ ہے کہ یہ رشتہ جو محبت و تعظیم کا رشتہ تھا یہ رشتہ جو تعلق خاطر کا رشتہ تھا، کاروباری سطح پر آ گیا ہے۔ جب ماحول مادیت سے متاثر ہو تو شاگرد کی منطق یہ ہوتی ہے کہ میں فیس ادا کرتا ہوں، اس لیے مجھے حق ہے کہ میں کلاس روم میں بیٹھوں اور لیکچر سنوں۔ میں اُستاد کا رہینِ منت نہیں ہوں۔ اساتذہ بھی اسی ماحول کی پیداوار ہیں۔ اکثر اساتذہ...... اور یہ میں معذرت چاہتے ہوئے کہتا ہوں..... اس دور میں علم محض اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ وہ کسبِ معاش کر سکیں۔ حصولِ علم کے لئے ایک لگن، ایک طلب، ایک پیاس جو ایک طالب العلم کے اندر ہونی چاہیئے، اساتذہ میں باقی نہیں ہے جب علم محض کسبِ معاش کی خاطر حاصل کیا جائے تو وہ ہڈیوں میں رچتا نہیں ہے۔ علم بڑا ہی غیور واقع ہوا ہے۔ وہ ان لوگوں کے سینوں کو کبھی اپنا نشیمن نہیں بناتا جو غیر کی خاطر اس سے رسم و راہ رکھتے ہیں۔ جب اُستاد محض کسب معاش کے لئے پڑھتا ہے تو اُسے اپنے مضمون پر دسترس نہیں ہوتی اور جب مضمون پر دسترس نہ ہو تو وہ مجبور ہوتا ہے کہ لبادے اوڑھے..... علم و فضیلت کے لبادے کہ کہیں اس کے علمی بدن کے برص کے داغوں پر شاگردوں کی نظر نہ پڑے۔ وہ انہیں فاصلے پر رکھتا ہے طالب علم سوال پوچھتے ہیں اُستاد انہیں دباتا ہے SNUB کرتا ہے اور رعب جماتا ہے

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر — کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

جب استاد شاگردوں کو دباتا ہے تو گو ان کی زبانیں چپ ہوتی ہیں، مگر ان کے چہرے صاف بول رہے ہوتے ہیں کہ یہ آپ کے لئے زیبا نہ تھا اور ان کے جی میں استاد کے لئے محبت و تعظیم باقی نہیں رہتی تو شاگرد یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فیس ادا کی ہے اور یہ BUSINESS TRANSACTION ہے اور میں استاد کا رہینِ منت نہیں ہوں اور استاد یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اپنی تنخواہ کے عوض اتنے گھنٹے کام کرنا ہے اور اس معین مدت کے ختم ہو جانے کے بعد طالب علموں کا مجھ پر کوئی حق باقی نہیں رہتا ۔

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم تنے تنے ۔۔۔ اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

یوں یہ رشتہ کاروباری سطح پر آنے کی وجہ سے اپنی تمام جاذبیتیں کھو بیٹھا ہے ۔

آیئے ہم اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کا علاج ڈھونڈیں ۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

"من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا"

"جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے ۔"

طالب علموں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ اساتذہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور لفظ فیض میں دانستہ طور پر بول رہا ہوں ۔ اساتذہ ان کی ذہنی پرورش کرتے ہیں، وہ ان کے محسن ہیں اور نجابت کا تقاضا یہی ہے کہ جس شخص سے انسان فیض حاصل کرتا ہو، اس کے گریبان میں ہاتھ نہ ڈالے اور استاد کا یہ سمجھنا کہ ان معین گھنٹوں کے بعد شاگرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرے دروازے پر دستک دے، صریحاً غیر اسلامی ہے ۔ شاگرد انکی معنوی اولاد ہیں ۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگرد اپنی طالب علمانہ زندگی ہی میں نہیں بلکہ عمر بھر یہ حق رکھتا ہے کہ جب کبھی اسے کوئی الجھن پیش آئے وہ استاد کے دروازے پر دستک دے اور اس سے مشورہ چاہے اور استاد کا یہ فرض ہے کہ یوں تپاک اور گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کرے ۔ جیسے اپنی اولاد آگئی ہو اور اس کے مسائل سلجھانے کی کوشش کرے ۔

آدابِ مجلس :

استاد کی مجلس میں جو آداب شاگرد کو ملحوظ رکھنے چاہئیں، وہ آداب بھی اسے مجلسِ نبوی ہی سے سیکھنے چاہئیں ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہؓ کے تعلق کے جہاں اور کئی پہلو تھے، ان میں استاد اور شاگرد کا رشتہ بھی تھا : "ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کتاب اور حکمت کی انہیں تعلیم دیتے ہیں، وہ ان کے معلم ہیں ۔ یہ سمجھنا کہ مجلس نبوی کے جو آداب قرآن مجید میں مذکور ہیں ان آداب کا تعلق

محض مجلس نبوی ہی سے تھا اور اب جبکہ وہ مجلس باقی نہیں رہی، وہ تمام آیات جو ان آداب سے متعلق ہیں معطل ہو گئی ہیں اور ان کی افادیت ختم ہو گئی ہے، یہ سوچنا بڑی ہی خام کاری اور ناپختگی کی بات ہے۔
پس ایک مسلمان طالب علم کو اپنے استاد کے ساتھ برتاؤ کا ڈھنگ بھی مجلسِ نبوی ہی سے سیکھنا چاہیئے۔
اس استادِ اکبر سے بات کرنے کا سلیقہ بھی قرآنِ مجید میں یوں سکھلایا گیا ہے:

"لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہٗ بالقول کجھر بعضکم لبعض"

کہ "اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچا مت ہونے دو اور ان سے یوں زور زور سے باتیں مت کیا کرو جیسے تم آپس میں کر لیا کرتے ہو۔"

حضرت شاہ ولی اللہ نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے استاد کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا صریحاً ناشائستگی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے "انا عبد من علمنی حرفا واحدا" "یعنی جس سے میں نے ایک حرف بھی سیکھا ہے وہ میرا محسن ہے، میں نے اس سے فیض حاصل کیا ہے۔"

آپ کہیں گے کہ تم اس نئے دور میں بہت پرانی باتیں کر رہے ہو۔ میں یہ کہتا ہوں کہ آج سے ہزار برس پہلے اگر آگ جلاتی تھی تو آج بھی اس سے جسم جلتا ہے اور اگر زہر آج سے کئی ہزار برس پہلے قاتل تھا تو وہ آج بھی ویسا ہی ہلاکت آفریں ہے۔ بالکل اسی طرح بعض اخلاقی اور روحانی قدریں ایسی ہیں جو زمان و مکان کے اختلاف سے بدل نہیں سکتیں اور زمانے کی لمبان گو کتنی آگے بڑھ جائے، استادوں کے ساتھ ناشائستگی کو تو کبھی قابلِ تحسین قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ بے مروتی اور بدلحاظی کا نام تو تجدد پسندی نہیں ہے۔ اقبال علیہ الرحمۃ نے بجا کہا تھا۔

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک ۔ دلیلِ کم نظری، قصۂ جدید و قدیم

شفقت و تعظیم باہم ملزوم (RECIPROCAL) ہیں کبھی تعظیم سے شفقت پیدا ہوتی ہے اور کبھی شفقت تعظیم کو جنم دیتی ہے۔ اور شفقت وہ چیز ہے کہ اس سے برف کی سلوں کو تو میں نے اپنی آنکھوں سے پگھلتے ہوئے دیکھا ہے۔ کچھ شفقت میں بھی کمی آ گئی ہے۔ اساتذہ کو دیکھا ہے کہ طالبِ علم کے سلام کا جواب بڑی نیم دلی سے دیتے ہیں اور بعض تو محض سر جھٹکتے ہیں اور زبان سے دو حرف کہنا بھی انہیں گراں گزرتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

"فَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا"

"اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے زیادہ تپاک اور گرمجوشی سے سلام کا جواب دو یا (کم از کم) ویسا ہی سلام لوٹا دو۔"

اسلامی تہذیب میں تو طالب علموں کی تربیت کے لئے سلام میں خود پہل کرنے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین سنت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہم نے حدیث میں پڑھا ہے: "کان یسلم علی الصبیان" "وہ بچوں کو خود سلام کرتے تھے"۔ ہماری درسگاہوں میں طالب علم استاد کے کمرے میں جائیں تو وہ کھڑے رہتے ہیں اور بالعموم انہیں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ یہ سب فرنگیوں کا اڑایا ہوا غبار ہے ؎

دل توڑ گئی ان کا صدیوں کی غلامی ۔۔۔ یہ سب مغربی تہذیب کے برگ و بار ہیں

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظام ۔۔۔ ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگردوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اساتذہ کے پاس بیٹھیں۔ بات یہ ہے کہ جب تک استاد اور شاگرد میں انس و موانست نہ ہو صحیح طور پر استفادہ نہیں ہو سکتا۔

اپنے شاگردوں اور عزیزوں کے لئے ازراہِ شفقت کھڑا ہونے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بلکہ عین سنت کا تقاضا ہے۔ کھڑا ہونا ایک تو تعظیماً ہوتا ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قوموا لسیدکم"

"اپنے بزرگ کے لئے کھڑے ہو جاؤ"۔ اور ایک کھڑا ہونا ازراہِ شفقت بھی ہے جیسا کہ حضرت فاطمہؓ کے بارے میں ہم حدیث میں پڑھتے ہیں "کانت اذا دخلت علیہ قام الیہا" کہ جب وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے۔ فقہاء نے اس سے یہ نتیجہ مرتب کیا کہ کھڑا ہونا صرف تعظیماً ہی نہیں ہے بلکہ شاگرد یا عزیز کے لئے ازراہ شفقت کھڑا ہونا بھی مستحسن ہے۔

میں بات سمیٹتا ہوں۔ اگر شاگرد یہ بات پلے باندھیں کہ استاد ان کے محسن ہیں، وہ ان سے فیض حاصل کرتے ہیں اور استاد اپنے مضمون سے وفا کریں اور اس پر دسترس حاصل کرنے کے لئے کاوش کریں اور اپنے شاگردوں کے سامنے بغیر لبادہ اوڑھے ہوئے آئیں اور امام مالکؒ کی طرح لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنے میں ان کو کوئی تامل نہ ہو تو استاد اور شاگرد کے رشتے سے زیادہ جاذبیت رکھنے والا کوئی رشتہ نہیں!

قارئین کی خدمت میں | مجھے اپنی ذاتی فائل مکمل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل شماروں کی اشد ضرورت ہے:
اپریل ۷۵ء، ستمبر ۷۵ء، اکتوبر ۷۵ء، جنوری ۷۶ء، فروری ۷۶ء، اپریل ۷۶ء، فروری ۷۷ء
براہ کرم تعاون فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ جزاکم اللہ!

(اکرام اللہ ساجد مینجر "ترجمان الحدیث")

۵۔ [illegible] حدیث کا یہ مفہوم محل نظر ہے (ادارہ)